تبصرہ و تعارف

ایک جھوٹی کہانی کا سچ اور دوسرے افسانے

مصنف: اسرار گاندھی
صفحات: ۲۴۳، قیمت: ۱۵۱/روپے
پبلشر: رجحان پبلی کیشنز، الہ آباد (یوپی)

اسرار گاندھی ہمدرد، مخلص، ملنسار اور سنجیدہ شخصیت کے مالک ہیں۔ فکشن کی کائنات میں ان کا دائرۂ علم محض اردو تک محدود نہیں ہندی، انگریزی اور تراجم کے ذریعے دوسرے آفاق تک وسیع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے یہاں موضوعات، تکنیک، کرداروں کی تشکیل اور فنی ٹریٹمنٹ میں ایک طرح کے تنوع اور تازگی کا احساس ہوتا ہے۔ ان کا تعلق اہم ترقی پسند افسانہ نگاروں کی اس آخری نسل سے ہے جس نے نظریاتی مصالحت کے بجائے نامساعد حالات میں بھی اسلاف کی روایتوں کو محفوظ رکھا اور نئی روشوں اور نئے موضوعات کو ہنرمندی سے اپنے سانچے میں ڈھالنے کا کارنامہ انجام دیا۔ خودنمائی، گروہی جوڑ توڑ اور نظریاتی وابستگی کے نام پر ذاتی مفاد کے حصول سے دور اس شخص نے دوستیوں کے نباہ اور فن سے تعلق کو حرزِ جاں بنانے کو حاصل علم جانا۔ اہم بات یہ ہے کہ اسرار گاندھی اب بھی لکھ رہے اور اردو ہندی کے رسائل میں شائع ہو رہے ہیں۔ نہ تو ان کا ذہن تھکا ہے نہ ہی ان کا تخلیقی سفر ماند پڑا ہے۔

افسانوں کی زیرِ تبصرہ کتاب 'ایک جھوٹی کہانی کا سچ' سے پہلے بھی ان کے تین مجموعے 'پرت پرت زندگی'، 'رہائی' اور 'غبار' شائع ہو کر ادبی حلقوں سے داد و تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ سماجی زندگی کے اتار چڑھاؤ، انسانی تعلقات کی ہمہ گیری اور مختلف رشتوں کی نزاکت و نفسیات کا بیانیہ اسرار گاندھی کے حاوی موضوعات ہیں۔ یہ مجموعہ چھبیس کہانیوں پر مشتمل ہے۔ جن میں 'پرت پرت زندگی'، 'شاور کا شور' اور 'رہائی' وغیرہ کو اس مجموعے کی نمائندہ کہانیوں کے زمرے میں رکھنا چاہیے۔ ان کے افسانوں کی خوبی یہ ہے کہ ان میں ہمارا عہد، ہمارے ارد گرد کا ماحول، واقعات، پیشے اور بہت سے شناسا چہرے کرداروں کی صورت دکھائی پڑتے ہیں۔ 'شاور کا شور' سمینار کے بہانے فلرٹ کرنے والے خاتون اور مرد پروفیسر کی کہانی ہے، 'کہرے سے ڈھکی ایک رات' پولیس والوں کی لوٹ کھسوٹ اور ان کی ذہنیت کی غماز ہے، 'مارکیٹنگ' روایتوں کے تصادم کا افسانہ ہے، 'وہ جو راستے میں کھوئی گئی' کی تشکیل نچلی ذات کے ریزرویشن اور ان کی عورتوں پر مظالم کے درد سے ہوتی ہے، 'محو حیرت ہوں' ایک اعلیٰ ذات کے پروفیسر کی ناگفتنی کی داستان ہے، 'پناہ گاہ' یونیورسٹیز میں نوکری پانے والی لڑکیوں کے جنسی استحصال کا بیانیہ ہے، 'کھلی آنکھوں کا خواب' فسادیوں کی سفاکی کا نوحہ ہے، افسانہ 'دھوپ چھاؤں' ماضی و حال اور جوانی و بڑھاپے کے تضاد سے بُنا ہوا اولڈ ایج ہوم کا منظر نامہ ہے، اور 'اخباروں میں لپٹی روٹیاں' فٹ پاتھ پر پلنے والے ایک یتیم بے سہارا بچے کی معصوم زندگی کی المیہ کہانی ہے۔ اس مجموعے میں ملک و معاشرے کی ایسی کئی جہات کو افسانوں کی بنیاد بنایا گیا ہے جو عام زندگی کا حصہ ہوتے ہوئے بھی ہمارے تخلیق کاروں کی نظروں سے اوجھل یا ان کے لیے اجنبی رہے ہیں۔ اسرار گاندھی کی خوبی یہ ہے کہ انھوں نے بعض متنازع مسائل، حقیقی واقعات اور اداروں کو اپنی کہانیوں کے موضوعات بنائے اور کافی حد تک سلیقے سے برتا بھی ہے۔ تمام افسانوں کی زبان صاف ستھری، سہل اور شگفتہ ہے۔ متعدد کردار ذہنوں میں بس جانے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور حالات و واقعات اور مناظر فطری ہیں؛ جو اسرار گاندھی کے مشاہدے، مطالعے اور ان کی عمیق نظری اور سلاست بیانی کی گواہی دیتے ہیں۔ عمدہ کہانیوں کے شائقین کے لیے اسے خوبصورت تحفہ سمجھنا چاہیے۔

اس مجموعے کا انتساب مصنف نے اردو کے بے باک ناقد مرحوم فضیل جعفری اور فکشن نگار نورالحسنین کے نام کیا ہے۔ پیش لفظ کو 'اپنی بات' کے عنوان سے محض تین سطروں میں سمیٹا ہے اور آخری صفحے پر آٹھ دوستوں خورشید اکرم، بشیر مالیر کوٹلوی، ابوبکر عباد، اسلم جمشید پوری، احمد رضی الدین، آبگینہ عارف، ذوالفقار صدیقی اور جاوید نظر کا 'اظہاریہ' کے عنوان سے محبت بھرا ذکر کیا ہے۔ دائیں فلیپ کے اندرونی حصے پر جدیدیت کے اہم ناقد مہدی جعفر، بائیں فلیپ پر ڈاکٹر عبدالحئی کی رائیں ہیں اور پشت پر اردو کے مستند ناقد اور اہم فکشن نگار پروفیسر شمس الرحمان فاروقی کی تحریر ہے۔ کور پیج خوبصورت ڈیزائن اور دلکش رنگوں سے آراستہ ہے، جلد بندی بھی اچھی ہوتی تو کیا خوب ہوتا۔

تبصرہ نگار: ابوبکر عباد
شعبۂ اردو، دہلی یونیورسٹی، دہلی

سہ ماہی فکر و نظر: خصوصی شمارہ سرسید نمبر

ایڈیٹر: پروفیسر سید محمد ہاشم
صفحات: ۴۵۰، قیمت: ۲۵۰/روپے
ملنے کا پتہ: D-7، شبلی روڈ، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ (یوپی)

گزشتہ برس سرسید کی دوصد سالہ تقریبات کے موقع پر کئی رسائل نے اپنے خصوصی شمارے شائع کیے۔ اس میں اردو اکادمی، دہلی کے ادبی ماہنامہ ''ایوانِ اردو'' دہلی کے سرسید نمبر اور ''جہاں نما'' نئی دہلی کے سرسید نمبر نے جلوہ افروز ہو کر دوسرے رسالوں کے مدیران کو بھی اس جانب متوجہ کیا۔ اسی سلسلے میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے سہ ماہی علمی و ادبی رسالے ''فکر و نظر'' نے بھی سرسید نمبر پر خصوصی شمارہ شائع کیا۔ ''فکر و نظر'' اپنی منفرد علمی و ادبی شناخت کے باوصف بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ سرسید نمبر میں تحقیق و تنقید اور ادبیات عالم کے منتخب روزگار اور علمی و ادبی دنیا میں خصوصی شناخت رکھنے والے ممتاز اہلِ قلم کے مضامین پیش کیے گئے ہیں۔

پیش نظر شمارے میں ۴۰ مضامین شامل ہیں۔ اس کے ایڈیٹر سید محمد ہاشم،

جوائنٹ ایڈیٹرس پروفیسر ضیاء الرحمٰن صدیقی، ڈاکٹر آفتاب عالم اور ڈاکٹر رفیع الدین ہیں۔ اسسٹنٹ ایڈیٹر ڈاکٹر محمد بکر عالم صدیقی ہیں۔ اس شمارے میں سرسید کی عصری معنویت پر پروفیسر قدوس جاوید نے بڑی فکر انگیز باتیں کہی ہیں اور عہدِ حاضر میں سرسید کے متحدہ قومیت کے تصور کو ہوشمندی کے ساتھ اختیار کرنے پر زور دیا ہے۔ ڈاکٹر مظفر حسین سید نے سرسید کی علمی خدمات، قربانیوں اور علمی منصوبوں کا بڑے مؤثر انداز میں ذکر کیا ہے اور قومی یکجہتی و بین المذاہب تفہیم کے داعی کے طور پر اپنے منفرد انداز میں سرسید کو متعارف کرایا ہے اور ان کی تحریروں سے یہ بات ثابت کرنے کی حتی الوسع کوشش کی ہے کہ سرسید صحیح معنوں میں ایک بالغ نظر دانشور تھے، جن کی فراست اور دانشورانہ شان ان کی علمی اور سماجی خدمات سے صاف اور واضح ہے۔

پروفیسر یٰسین مظہر صدیقی نے اپنے مضمون میں بڑی عالمانہ شان کے ساتھ شاہ عبدالعزیزؒ اور سرسید کے فکری روابط پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ پروفیسر عبدالرحمٰن قدوائی نے اپنے مضمون میں سرسید کی دانشورانہ دوراندیشی کو موضوع بنایا ہے۔ پروفیسر عقیل احمد صدیقی کا مضمون بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ انھوں نے سرسید کے نظریۂ علم پر بڑی کارآمد گفتگو کی ہے۔ پروفیسر قاضی عبیدالرحمٰن ہاشمی کا مضمون ''مضامین سرسید کی ادبی وتہذیبی اہمیت'' پروفیسر مولا بخش کا مضمون ''اردو میں ادبی تھیوری کا محرک اول سرسید احمد خان''، ڈاکٹر حنا یاسمین کا ''سرسید کی تصحیح کردہ آئینہ اکبری: ایک تجزیاتی مطالعہ'' اور ڈاکٹر معیزہ قاضی کا ''سرسید کے تعلیمی نظریات اور ہم'' وغیرہ بھی نہایت وقیع اور قابلِ مطالعہ مضامین ہیں۔ ڈاکٹر آفتاب عالم نے اپنے مقالے ''حیات جاوید—ایک تنقیدی جائزہ'' میں ''حیاتِ جاوید'' پر ناقدانہ نظر ڈالتے ہوئے علامہ شبلی نعمانی، حبیب الرحمٰن خاں شروانی اور مولانا ابوالکلام آزاد کے ''حیات جاوید'' سے متعلق خیالات، اعتراضات اور جن چیزوں کو مولانا الطاف حسین حالی نے کسی وجہ سے نظر انداز کیا ہے ان کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے اور حالی کے اس نتیجے کو بالکل درست قرار دیا ہے کہ سرسید کی نیت اور ارادہ قوم کی فلاح کے لیے اخلاص اور صداقت سے پُر ہے۔

''فکر ونظر'' کے مدیر اور ان کے معاونین نے اس خصوصی شمارے کو بہتر سے بہتر بنا کر پیش کرنے میں جو کامیاب سعی کی ہے وہ ''فکر ونظر'' کے اوراق سے عیاں ہے جس کے لیے وہ یقیناً مبارک باد کے مستحق ہیں۔

تبصرہ نگار: ڈاکٹر منور حسن کمال

N-93، فورتھ فلور، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی، موبائل: 9873819521

نزول

شاعر: بدنام نظرم

صفحات: ۱۷۰، قیمت: ۳۰۰/روپے

زیر نظر شعری مجموعہ نزول میری نظروں سے گزرنے والا پہلا مجموعہ ہے جس میں شاعر نے نہ تو خود اپنا تعارف پیش کیا اور نہ ہی کسی اہل فن کو زحمت دینا گوارہ کیا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شاعر اپنے آپ کو قارئین کی نظروں سے چھپا کر ہی صرف شاعری کے بارے میں رائے جاننا چاہتا ہے جو شاعر کے اخلاق کی دلیل معلوم ہوتی ہے۔

دیگر مجموعہ ہائے شاعری کی روش سے ہٹ کر سرورق مجموعہ جو تعارف پیش کیا گیا ہے کہ شاعر کے نام کی جگہ مجموعے کا نام اور مجموعے کے نام کی جگہ شاعر کا نام ثبت کرنا بھی گومگو کی کیفیت پیدا کرتا ہے۔ کوئی ادب پارہ خواہ منظوم ہو یا نثری جب سامنے آتا ہے تو فطرتاً نظر ادب پارے اور صاحب تصنیف پر جاتی ہے اور پھر صاحب تصنیف کا منظر پس منظر سمجھ کر شاعری کے سمجھنے میں مدد ملتی ہے چونکہ شاعری شاعر کی دلی کیفیت کا نام ہے جس کو وہ وقتاً فوقتاً منظوم شکل کے اندر سپرد قرطاس کرتا رہتا ہے نیز یہ کہ شاعری اشارے کنائے کی زبان ہوتی ہے۔ شاعر نے شعر کس پس منظر میں کہا ہے کیا چیز ہے جس نے اس کو شعر کہنے پر آمادہ کیا ہے اور متاثر کیا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ ایک ہی شعر کے مختلف معنی ومفاہیم لیے جاسکتے ہیں۔ دیکھا گیا ہے کہ کوئی شعر کے لفظی معنی لیتا ہے، کوئی لغوی کوئی اصطلاحی اور کوئی اشارے کنارے کی پُر کیف فضا میں لے جا کر لطف اندوز ہوتا ہے۔ بدنظر شاعر کی جگہ جگہ شاعرانہ پختگی، برجستگی، سلاست، کلاسیکل رکھ رکھاؤ اور قدرت کلام کا پتہ دے رہی ہے اور یہ بتا رہی ہے کہ شاعر کی نظر اپنے اِردگرد پر گہری ہے جو بڑی کامیابی اور ذمہ داری کے ساتھ سلاست اور پختگی کے ساتھ حالات کو سفر کا جامہ پہنا کر دوام عطا کر رہی ہے دیکھئے کس خوبصورتی کے ساتھ حالات کی منظر کشی کی ہے:

ہر ایک چہرہ یہاں درد کی کتاب لگے
تمہارا شہر تو اک شہر اضطراب لگے

اس زندگی میں جہاں خوشیاں انسان کو شادماں کرتی ہیں وہیں رنج وغم بھی اضطرابی کیفیت پیدا کرتے ہیں۔ جہاں محبت آپ کی زندگی کو پُر کیف بناتی ہے وہیں نفرت اور عداوت بھی آپ کی زندگی میں زہر گھولنے کا کام کرتی ہیں۔ جہاں چھاؤں آرام کا سبب بنتی ہے وہیں دھوپ بھی جھلساتی نظر آتی ہے جہاں کامیابی ہوتی ہے وہیں ناکامی بھی دستک دیتی نظر آتی ہے۔ حالات کے ساتھ سمجھوتہ کرنا، اپنے آپ کو سنبھالنا اور ثابت قدمی سے زندگی کو ساتھ لے کر چلنا بڑی بات ہے۔

یہ وہ تجربات ہیں جن کو شاعر نے بخوبی سمجھا ہے اور خوبصورتی کے ساتھ پیش کیا ہے ملاحظہ فرمائیں:

کوئی موسم ہو بہاروں سے بتائے رکھئے
خشک پتوں پہ کوئی رنگ چڑھائے رکھئے

تاکہ ویرانی ادھر آئے تو مایوس نہ ہو
اپنے دروازوں کو پھولوں سے سجائے رکھئے

اور یہ سچائی بھی ملاحظہ فرمائیں:

اپنا سر آپ سے ٹکراتی ہے گاہے گاہے
زندگی خود سے اُلجھ جاتی ہے گاہے گاہے

یہ اور اسی طرح کے تجرباتی اشعار جا بجا شاعر کے قادر الکلام ہونے کا پتہ دے رہے ہیں۔ اُمید کی جانی چاہیے کہ یہ مجموعہ ذخیرۂ ادب میں کامیاب اضافہ ثابت ہوگا۔

تبصرہ نگار: ماسٹر نثار احمد
413، مین روڈ نئی کردم پوری، شاہدرہ، دہلی۔110094
موبائل: 9312132695

فکر و نظر (تنقیدی و تحقیقی مضامین)
مصنف: حنیف نجمی
صفحات: ۲۷۶، قیمت: ۲۷۵/روپے
ناشر: روز ورڈ بکس ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی

بہت ہی کم ایسی کتابیں منظر عام پر آ رہی ہیں جو فکر کو مہمیز کریں اور ان سے نظر کو بالیدگی عطا ہو۔ حنیف نجمی کی یہ کتاب پہلی ہی نظر میں کسی بھی سنجیدہ قاری کو اپنی جانب مائل کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے، کیونکہ اس کتاب میں تین اہم ایسے مضامین ہیں جن میں سے دو کا پلاٹ صرف ایک بیت پر قائم کیا گیا ہے اور ایک تحقیقی مضمون صرف ایک مقولہ پر مرکوز ہے۔

کتاب کی فہرست پر جب نظر پڑی تو نادر مضامین کا گلدستہ نظر آیا، جس میں ادب کی روح اور فلسفے کا خمیر ہے۔ اساطیری فنطاسی ہے اور تازہ واردان ادب کے ادب پر تنقیدی نظر بھی ہے۔ اردو کے ساتھ ساتھ فارسی کلام کی جو معطر روح اردو میں سمائی ہوئی ہے وہ مضامین میں بھی شیر و شکر ہو گئے ہیں، جو کسی بھی سنجیدہ قاری کو کلاسیکیت کی روح سے روشناس کراتا ہے اور لفظ و معنی کے بے پناہ رموز سے بکھیرتا ہے۔

کتاب کا پہلا مضمون "صنف غزل اور بین المتونیت" ہے جسے خسرو کی ایک بیت کے حوالے سے رقم کیا گیا ہے۔ مضمون کی شروعات مضامین میں اخذ و استفادہ کی بحث سے کی گئی ہے۔ جس کو انہوں نے بین المتونیت کے دائرے میں پیش کیا ہے جس کے دلائل کے طور پر سنسکرت اور فارسی شعریات کو بھی پیش کیا ہے۔ خسرو کے خصوصی بیت پر جو مضمون قائم ہے وہ بیت کچھ اس طرح ہے:

اے گل چوں آمدی ز زمیں گو چگونہ اند
آں روئے ہا کہ در تہہ گرد فنا شدند

ساتھ میں مصنف کا دعویٰ بھی ہے کہ ''غزل صحیح معنی میں بین المتونی صنف سخن ہے۔ اخذ و استفادہ اس کی شعریات کا مسلمہ اصول ہے۔'' مصنف مذکورہ بیت کے مضمون کو بیدل و سودا سے لے کر مخمور سعیدی کی شاعری میں نشاندہی کرتے ہوئے پھر واپس سعدی و خیام کی جانب لوٹ جاتے ہیں اس طرح سے اپنے دعوے کے دلائل پیش کرتے چلے جاتے ہیں جو قاری کے ذہن میں بھی گھر کرتا چلا جاتا ہے۔

دوسرے مضمون کا عنوان ''غالب کی ایک بیت'' ہے۔ فارسی کا ایک مشہور مقولہ ہے ''در بلا بودن بہ از بیم بلا'' اس پر بے تکلف کا اضافہ کر کے عرفی کے ایک شعر سے اکتساب کرتے ہیں، غالب کی بیت کچھ اس طرح ہے:

بے تکلف در بلا بودن بہ از بیم بلا
قعر دریا سلسبیل و روئے دریا آتش است

اور عرفی کا بیت کچھ اس طرح ہے:

ہم سمندر باش و ہم ماہی کہ در جیحون عشق
روئے دریا سلسبیل و قعر دریا آتش است

مذکورہ اشعار سے مصنف معانی کے گرہ کھولتے چلے جاتے ہیں، معانی کے دعوے کی دلیل اشعار سے پیش کرتے جاتے ہیں اور ایک دلچسپ مضمون بنتا چلا جاتا ہے۔ مرزا منوہر توسنی جو مصنف کی تحقیق میں فارسی کا سب سے پہلا غیر مسلم شاعر تھا، ایک طویل تحقیقی مضمون ہے جس میں توسنی کی شخصیت ادب اور مقبولیت کا جامع انداز میں مدلل احاطہ کیا گیا ہے۔

''کلام خسرو میں گریہ'' غزل کے مضامین اور مضامین کے اختراع سے مضمون شروع ہوتا ہے جس میں گریہ کے مضمون کو جن نئے نئے انداز سے خسرو نے پیش کیا ہے اس کی کہکشاں انہوں نے یہاں پیش کر دی ہے۔

''ملک الشعرا فیضی: ایک تجزیاتی مطالعہ'' کتاب میں شامل سب سے طویل تحقیقی مقالہ ہے جو تقریباً پچھتر صفحات پر مشتمل ہے۔ اگر چہ مصنف نے عنوان میں تجزیاتی مطالعہ لکھا ہے، لیکن یہ مکمل تحقیقاتی مقالہ ہے جس کی شروعات میں اکبر کے دور میں علما کبار کے ذکر کے بعد عہد اکبری میں فارسی ادب کی حسین تاریخ کا زریں مطالعہ بھی پیش کیا گیا ہے۔ فیضی کا درجہ اکبر کے یہاں، فیضی کے تصانیف و تراجم، مذہب اور فیضی کی شاعری کا مطالعہ تفصیلی طور پر شامل مضمون ہے۔ ایک بات جو اس کتاب میں بہت ہی اہم ہے وہ یہ ہے کہ مصنف نے اشعار پر جو گفتگو پیش کی ہے ان میں وہ لفظی تشریح و تعبیر سے دور ہو کر معنویاتی سطح پر کئی پرتوں کو کھولنے کی کوشش کرتے ہیں۔

قارون کا قصہ جس کا تعلق محض مذہبی کتب سے ہے اس کے کئی پہلوؤں کی وضاحت مصنف نے ایک مضمون میں کی ہے۔ مصنف تو بظاہر مفسر نہیں ہیں، لیکن قرآن کے ساتھ دیگر مذاہب کی کتاب میں قارون کا ذکر جس نوعیت کے ساتھ آیا ہے ان تمام پر اپنی عمیق نگاہ ڈالتے ہوئے کئی اہم پہلوؤں کی جو وضاحت کی ہے اس سے مصنف کی علمی بصیرت کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

''شیخ احمد جام کی ایک بیت'' کتاب میں شامل صرف بیت پر ہی مرکوز دوسرا مضمون ہے۔ شاعری کہتے کسے ہیں اس کیفیت کے ادراک کی تفصیل سے مضمون شروع ہوتا ہے پھر مشائخ چشت کے سماع سے متعلق ذوق و شعور کو پیش کیا گیا ہے۔ پھر کئی صفحات کے بعد شیخ احمد جام کی وہ بیت آتی ہے جس کو سن کر شیخ

قطب الدین چار راتیں عالم تحیر میں ہوتے ہیں اور پانچویں شب جان جانِ آفریں کے سپرد کر دیتے ہیں۔ وہ بیت یہ ہے:

کشتگان خنجر تسلیم را
ہر زماں از غیب جان دیگر است

اس پورے مضمون میں اگر چہ تصوف کی فضا قائم ہے، لیکن اصل میں انھوں نے شاعری کی روح کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے جو چیزے دیگر ہے۔

اس کے بعد ''تخلیق شعر کا الہامی تصور۔ شعر حافظ کے خصوصی حوالے سے'' ہے۔ ماقبل کے مضمون سے یہ مضمون تدریجاً آگے بڑھا ہے اور بات شعر کے الہامی ہونے تک پہنچ گئی ہے۔ ایک طویل گفتگو طوطی پر ہے جس میں مضمون نگار نے صفت الہام کو عمدہ طریقے سے پیش کیا ہے۔

''رومی کی ایک بیت'' کتاب میں کلاسیکیت پر شامل آخری مضمون اور بیت واحد پر مرکوز رہ کر لکھا جانے والا بھی آخری مضمون ہے۔ ''آفتاب آمد دلیل آفتاب است'' یہ اگر چہ رومی کی ایک بیت ہے، لیکن مقولہ کے طور پر مشہور ہو گیا ہے اور ساتھ ہی فن منطق میں بدیہی کی مثال بھی ہے۔ مصنف نے اسی بیت سے بات شروع کی ہے اور اسی پر مرکوز رہ کر کئی قیمتی نکتی باتیں بھی بتائی ہیں اور دعویٰ کیا گیا ہے کہ اس مصرع میں اور اس کے سوا تقریباً تیس اشعار میں آفتاب سے مراد رومی کے پیر و مرشد شمس تبریز ہیں، لیکن گفتگو کو آگے بڑھاتے ہوئے اس بات کا بھی ذکر کرتے ہیں کہ دیگر کتب سماوی و شعرا کے یہاں ''آفتاب'' کا لفظ باری تعالیٰ کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔ اس مضمون کے بعد چار مختصر مضامین ہیں جن میں سے ایک امام غزالی کی حیات اور تین جدید شعرا سعید الظفر وسیم، اقبال خلش اور کرامت علی کرامت کی شعری و فکری جہات پر ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ کے بعد محسوس ہوتا ہے کہ مصنف نے اپنی زندگی کا مکمل مطالعہ اس کتاب میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے جو کسی بھی قاری کو مطالعہ کی دعوت دیتی ہے۔

تبصرہ نگار: امیر حمزہ
ریسرچ اسکالر شعبۂ اردو، دہلی یونیورسٹی، دہلی

بولتے الفاظ

شاعر: ابوالخیر نشتر
صفحات: ۱۶۰، قیمت: ۱۵۰/روپے
ناشر: ایم۔ آر۔ پبلی کیشن، دہلی

عصری آہٹ نہ گنگناہٹ تھی
لفظ و معنی زبان لے ڈوبی

اس شعر کے خالق بزرگ شاعر ابوالخیر نشتر ہیں۔ آپ کا تعلق سرزمین بہار کے تاریخی شہر بتیا سے ہے، یہ شعر میں نے ان کا تازہ مجموعۂ کلام 'بولتے الفاظ' سے اخذ کیا ہے۔ اس میں اس قسم کے اشعار بھرے پڑے ہیں۔ وہ ایک اچھے اور کہنہ مشق استاد شاعر ہیں، جس قدر عمدہ اور اچھے اشعار کہتے ہیں اسی قدر وہ بے حد شریف النفس انسان بھی ہیں، ان کے اندر شاعری کا جنون آج بھی ایک نوجوان شاعر کی طرح ہے۔ وہ خوش فکر شاعر ہیں، ساتھ ہی ان کے کلام میں عصری حسیت و آگہی کچھ الگ ہی لطف دیتی ہے، وہ زمانہ شناس شاعر ہیں ان کی شاعری میں ایک عہد کی داستان سنائی دیتی ہے، ان کی شاعری اپنے زمانے کا کرب، ظلم و ستم اور نامساعد حالات کی داستان بھی ہے، کمال یہ ہے کہ انھوں نے اپنی فکر، خیال کی تازگی اور ندرت اظہار سے نئی نسل کو متاثر کیا ہے۔ بطور نمونہ یہ شعر دیکھیں:

نظر نظر میں تغافل، قدم قدم پہ عتاب
بہت عجیب لگے مرحلے سفر کے مجھے

ہے ارتقائی بلندی پہ آج کا انساں
خود اپنے آپ سے غافل مری نگاہ میں ہے

اس قسم کے اشعار جو اپنی پہچان آپ ہیں ان کے مجموعہ میں بے شمار ہیں، نشتر صاحب کی شاعری اپنی الگ شناخت رکھتی ہے، ان کے یہاں زبان و بیان اور لفظیات کا استعمال منفرد نظر آتا ہے، ان کا آہنگ اپنے ہم عصروں میں سب سے جدا ہے، ان کے یہاں لفظوں کا برتاو، تراکیب، شعری حسن اپنے ہم عصروں سے منفرد ہے، ان کا لہجہ اور اسلوب اس قدر پر لطف اور انوکھا ہے کہ پڑھنے والا آوازوں کے درمیان یہ شناخت کر لیتا ہے کہ یہ ابوالخیر نشتر کا شعر ہے، ان کی شاعری اس طور پر بھی اہم اور خاص ہے کہ ان کے شعروں میں شعری جمالیات اور عصری داستان کے ساتھ تہذیبی ٹوٹ پھوٹ کا بھی اظہار بے حد عمدگی اور خوبصورتی کے ساتھ کیا گیا ہے۔ انھوں نے اپنی شاعری کو اپنے احساسات اور خیالات سے پوری طرح ہم آہنگ کیا جو کم ہی لوگ کر پاتے ہیں، کیوں کہ جب انھوں نے اس برتاو کے ساتھ شعر کہا ہے تو قاری کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ جذبات ہمارے بھی ہیں، جب کہ شاعری کو اس طرح عوامی جذبات سے کم ہی شعرا نے مہمیز کیا ہے۔

سرزمین چمپارن کو تاریخ کے اوراق میں اس وجہ سے بھی خصوصی اہمیت حاصل ہے کہ یہیں سے چمپارن مومینٹ کا آغاز ہوا تھا، گاندھی جی کا تاریخی آشرم بھی یہیں ہے، یہیں کستور بار ہا کرتی تھیں اور بچیوں اور عورتوں کو پڑھایا کرتی تھیں۔ بعض مؤرخین کے مطابق عدم تعاون کی تحریک بھی یہیں سے برپا ہوئی تھی بلکہ جنگ آزادی کے بعد سے پہلے آزادی کی آواز یہیں سے بلند ہوئی جس کی گھن گرج پورے ملک میں سنائی دی اور آزادی کا جو بادل یہاں سے اٹھا وہ پورے ملک میں برسا۔ چمپارن کا پورے ملک پر وہ احسان ہے جس پر یہ مصرع صادق آتا ہے کہ ''وہ قرض اتارے ہیں جو واجب بھی نہیں تھے''۔

ابوالخیر نشتر خوش نصیب شاعر ہیں کہ ان کا تعلق بتیا سے ہے اور سرزمین بتیا

کو یہ فخر حاصل ہے کہ وہاں ابوالخیر نشتر جیسا بے باک، خوش فکر اور قادر الکلام شاعر پیدا ہوا۔ ان کا یہ کمال ہے کہ انھوں نے ایک عہد کو متاثر کیا ہے۔ انھوں نے نئی نسل کو شاعری کے میدان میں بے پناہ امکانات سے متعارف کرایا ہے، ان کی شاعری کا کمال یہ ہے کہ اس میں ہر انسان کی زندگی کی داستان پوشیدہ معلوم ہوتی ہے۔ ان کے یہاں خیالات کی بلندی، فکر کی پروازی اور زمین کی زرخیزی فن شاعری میں معتبر کرتی ہے۔ یہ کتاب شاعری کے ذخیرہ میں ایک اہم اضافہ ہے۔ نئی نسل کے شعرا اور وہ جو شعر وسخن سے دلچسپی رکھتے ہیں ان کے لیے بہت کارآمد اور مفید ہے۔

تبصرہ نگار: خان محمد رضوان
D-307، ایم ایم آئی پی، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی۔25
موبائل: 9810862283

بال کی کھال (طنز ومزاح)

مصنف: فیاض احمد فیضی
صفحات: ۲۸۰، قیمت: ۲۸۰/روپے
ملنے کا پتہ: فلیٹ نمبر 902، MHADA ٹاور، 7A، اولڈ MHB کالونی، گورائی روڈ، بوریولی (مغرب)، ممبئی

فہرست بعنوان ''بے ترتیب'' میں سب سے پہلے پیش لفظ تحریر فرمایا ہے۔ ایک جگہ آپ لکھتے ہیں:

''قند وزقند'' (۱۹۹۲ء) اور ''قند مکرر'' (۲۰۰۸ء) کے بعد میرے طنزیہ ومزاحیہ مضامین کا تیسرا مجموعہ ''بال کی کھال'' آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس بار کتاب کا نام احتیاطاً آسان رکھا گیا ہے ورنہ ہر کتاب کی اشاعت کے برسوں بعد بھی لوگ مجھ سے کتاب کے نام کے معنی پوچھتے تھے اور میری وضاحت کے بعد بھی غیر مطمئن نظر آتے تھے۔ (کتاب ہٰذا، ص:۹)

بہر کیف! فیاض احمد فیضی کا شمار ان خوش نصیب ادیبوں میں ہوتا ہے کہ جن کے قدردانوں میں مجتبیٰ حسین، مرحوم یوسف ناظم، مرحومہ سلمیٰ صدیقی، ڈاکٹر مصطفیٰ کمال وغیرہ شامل رہے ہیں۔ ساتھ ہی ناقد ڈاکٹر لطف الرحمٰن (مرحوم) اور ڈاکٹر رفیعہ شبنم عابدی جیسے ادیبوں نے بھی فیاض احمد فیضی پر مضمون تحریر فرمایا ہے۔ اسی مناسبت سے اس کتاب میں ڈاکٹر لطف الرحمٰن مرحوم کا مضمون بعنوان " فیاض احمد فیضی کی تخلیقی مصوری" شامل ہے۔ اس مضمون میں ایک جگہ درج ہے:

''اردو نثر میں طنز ومزاح نگاری کا فروغ سرسید تحریک کا رہین کرم ہے۔ نشاۃ الثانیہ کے بعد کئی اہم اور مستند طنز ومزاح نگار سامنے آئے.... فیاض احمد فیضی بھی فنکاروں کے اسی قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں۔'' (کتاب ہٰذا، ص:۱۳)

اتنا کہہ کر ہی ڈاکٹر لطف الرحمٰن (مرحوم) خاموش نہیں بیٹھتے ہیں۔ آپ فیاض احمد فیضی کو متذکرہ قبیلے میں بہ حیثیت ممتاز اور منفرد رکھتے ہیں۔ بقول مضمون نویس ''فیضی کے یہاں تخلیقی تخیل بدرجۂ اتم موجود ہے۔ ان کے مشاہدے میں تنوع، گیرائی اور تجربے میں وسعت اور گہرائی موجود ہے۔''

بہر کیف! ڈاکٹر لطف الرحمٰن (مرحوم) فیاض احمد فیضی کی تحریروں میں مسرت وبصیرت کا سرچشمہ پاتے ہیں۔ ان کی تحریروں میں چاہے وہ مضامین کی صورت میں ہوں یا سفرنامے، خاکے/ تاثرات وغیرہ کی صورت میں ہوں، ڈاکٹر لطف الرحمٰن (مرحوم) جیسے دیدہ ور نقاد نے فیاض احمد فیضی کی تخلیقی صلاحیت پر قلم اٹھا کر ان کے قد میں اضافہ کیا ہے۔

پروفیسر رفیعہ شبنم عابدی اپنے مضمون ''معصوم شرارت سے قاتل ظرافت تک'' میں فیاض احمد فیضی کے گھرانے سے گھریلو تعلقات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتی ہیں کہ تقریباً بچپن سے ہی انھیں جانتی ہیں۔ پروفیسر عابدی نے اپنے مضمون فیاض احمد فیضی کی تحریروں میں ظرافت اور طنز ومزاح کی چاشنی کا ذکر کیا ہے۔ اس مضمون کو تقریباً پروفیسر عابدی نے مزاح کی صورت میں تحریر فرمایا ہے جو بہت خوب ہے۔

اس کتاب میں فیاض احمد فیضی نے کل ۱۲ مضامین، ۳ سفرنامے، ۷ خاکے/ تاثرات اور ۳ کالم اپی سوڈ شامل کئے ہیں۔ سفرنامہ سنگاپور بھی بہت خوب ہے۔ آپ ایک اچھے خاکہ نگار بھی ہیں ان کے مطالعے کے بعد قارئین بھی لطف اندوز ہوسکیں گے۔

اس کے علاوہ مضامین میں ''استادوں کے استاذ''، ''میرے دوستوں کو مجھ سے بچاؤ''، ''ایک کچھوے کی آپ بیتی''، ''ہم کو غصہ کیوں آتا ہے''، ''ہم ہارن کیوں بجاتے ہیں''، وغیرہ وغیرہ بہت خوب طنزیہ ومزاحیہ تحریریں ہیں۔

فیاض احمد فیضی کی تحریروں پر ہند وپاک میں تاثرات ومضامین قلمبند کئے جاتے رہے ہیں۔ اس کتاب کے فلیپ پر دائیں جانب ڈاکٹر ایس۔ ایم۔ معین قریشی (کراچی، پاکستان) وہیں بائیں جانب سلمیٰ صدیقی مرحومہ اور کالی داس گپتا رضا (مرحوم) کے تاثرات شامل کئے گئے ہیں۔ پس ورق پر مجتبیٰ حسین کے علاوہ مرحومین میں یوسف ناظم، ڈاکٹر لطف الرحمٰن اور ڈاکٹر شکیل الرحمٰن وغیرہ کے تاثرات شائع کئے گئے ہیں جس کی روشنی میں فیاض احمد فیضی کی ادبی وشخصی زندگی کو خوب سمجھا جاسکتا ہے۔

بہ حیثیت مجموعی یہ کتاب فیاض احمد فیضی کا طنز ومزاح نگاری کے میدان میں ایک اہم اثاثہ ہے ساتھ ہی اردو ادب میں بیش بہا اضافہ ہے۔ امید کرتی ہوں ادبی دنیا میں اس اہم کتاب کو سراہا جائے گا۔

تبصرہ نگار: ڈاکٹر رخسانہ جمیل
کمہرولی، کمتول، دربھنگہ (بہار)، موبائل: 8076062243

◆◆◆

◆◆◆